© rasailojaraid.com



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نقشِ آغاز

صدر پاکستان نے اپنی ۲۸ مارچ کی تقریر میں آئندہ انتخابات اور قانون ساز اسمبلی کے لیئے آئینی ڈھانچہ کا اعلان کرتے ہوئے اس کے اہم نکات کا جو آئندہ آئین سازی کے لیئے بنیادی اصول ہوں گے اعلان کر دیا ہے۔ ان نکات میں اسلامی نظریہ کا تحفظ بھی شامل ہے۔ جہاں تک اس اہم نکتہ کا تعلق ہے، صدر صاحب کے اعلان کو جتنا بھی سراہا جائے کم ہے اور یہی ایک چیز ہے جس کی پوری پوری رعایت اور نگہداشت پر ملک و ملت کی بقاء کا دار و مدار ہے، مگر کیا نئی تشکیل پانے والی اسمبلی واقعی معنوں میں اسکی رعایت کر سکے گی اور اس کے ذریعہ ملک وملت کو قرآن و سنت پر مبنی ایک عادلانہ دستور فراہم ہو سکے گا۔ ؟ یہ سوال سنجیدہ غور اور گہری سوچ و بچار کا مستحق ہے انتخابی مہم کے دوران اب تک جتنے نعرے، پروگرام اور انتخابی منشور سامنے آچکے ہیں ان کی روشنی میں یہ رائے قائم کرنا بہت مشکل ہے۔ کہ اسمبلی معمولی اکثریت سے بھی اسلامی نظریہ یا نظریۂ پاکستان پر مبنی آئین بنانے میں کامیاب ہو سکے گی۔ اس وقت کچھ سیاستدان اسلام اور نظریہ پاکستان کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ اور کچھ لوگ غریب عوام کو ایک تصوراتی جنت دکھا دکھا کر سوشلزم یا اس کے ہمرنگ سنہری زنجیروں میں جکڑنا چاہتے ہیں۔ اوّل الذکر طبقہ کے گذشتہ بائیس سالہ کارناموں، اسلام کے بارہ میں ان کا خام تصور اور معاندانہ روش کو سامنے رکھ کر نہیں کہا جا سکتا کہ اب واقعی معنوں میں ان لوگوں کو اپنی غلطی کا احساس اور اسلام کی اہمیت اور ضرورت کا شعور پیدا ہوا ہو۔ اور آئندہ اگر وہ کامیاب ہوئے تو وہی پرانا سبق دہرا کر ملک وملت کو ایک بار پھر ہیجان اور اضطراب سے دوچار نہیں کریں گے، بلکہ پوری ایمانداری اور دیانتداری سے کتاب و سنت پر مبنی اسلامی دستور پر اتفاق کر سکیں گے۔

رہا دوسرا ذہن تو وہ بھی دعوؤں میں جو چاہے کہے اور جسطرح چاہے اپنے لادینی نعروں سوشلزم وغیرہ پر اسلام کی مہر لگائیں مگر یہ حقیقت ہے کہ ایسی ارتیابی ذہنیت بھی ہرگز ہرگز ملک وملت کو اسلام کا عادلانہ معاشی ومعاشرتی نظام دینے پر آمادہ نہیں ہوسکتی۔ پہلی ذہنیت نفاق اور دوسری فکری کج روی اور گمراہی کی غماز ہے۔ اور نتیجۃً اسمبلی میں جاکر ان کا اتفاق اگر ہو سکتا ہے تو اسی مغربی تہذیب اور نظامِ حیات پر جس میں ہوائے وہوس اور نفس پرستی کی تسکین کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



پورا سامان موجود ہے یا پھر کسی سوشلسٹ لائحہ عمل پر اس لئے کہ وہ بھی اخلاقی اور دینی قدروں سے آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ رہا اسلام کا نعرہ تو اسکی اثر پذیری تو اس وقت قائم رہ سکتی ہے جب اُسے اس کے مکمل مفہوم اور مصداق میں سے کر تمام بیرونی اور خارجی اثرات سے قطعی آزاد رکھا جائے دنیا میں کسی چیز کی حقیقت اور ماہیت تب موجود ہو سکتی ہے کہ اس چیز کی جامعیت اور مانعیت دونوں کو ملحوظ رکھا جائے اگر ایک شخص کا تصوّر اسلام کی پوری حقیقت کا احاطہ کئے ہے اور اس کی عملی زندگی اسلام کے تمام تقاضوں کو جامع ہے۔ مگر وہ اس کے ساتھ تصوّر اور عقیدہ کی حد تک غیر اسلامی نظریات کو بھی ذہن و فکر میں جگہ دیتا ہے تو اس کا اسلام جامع ہے مگر مانع نہیں یا اگر ایک شخص اپنے ذہن و فکر کو ہر بیرونی ازم سے پاک رکھتا ہے مگر خود اسلام یا اس کے کسی جز کے بارہ میں اس کا عقیدہ درست نہیں تو اس کا اسلام مانع ہے مگر جامع نہیں۔ تو نہ پہلی صورت میں ہم ایسے شخص کو مسلمان اور اس کے اسلام کو اسلام کہہ سکتے ہیں، نہ دوسری صورت میں، ایک شخص اسلام کے تمام بنیادی اصول عقیدۂ توحید و رسالت، آخرت وغیرہ پر ایمان لا چکا ہے۔ مگر اس کے ساتھ وہ کسی معاشرتی یا معاشی مسئلہ میں دیگر نظریات پر ایمان رکھتا ہے یا دنیا کے ہر ازم سے اُسے نفرت ہے مگر خود اسلام کے بارہ میں اس کا تصوّر ادھورا ہے۔ تو دونوں صورتوں میں ہم اس کے اسلام کو کامل اور حقیقی اسلام نہیں کہہ سکتے، گاندھی اسلام کی بہت تعریف کیا کرتا تھا مگر وہ مسلمان نہیں تھا اس لئے کہ اس کے لئے مانعیت بھی ضروری تھی، مرزا غلام احمد اسلام کا منادی بنا پھرتا تھا مگر وہ بھی مسلمان نہیں تھا، کیونکہ اس کے لئے مانعیت کے علاوہ جامعیت کی بھی ضرورت تھی اور اسلام کی حقیقت اور ماہیّت کے لئے دونوں چیزیں لازمی ہیں۔

---

اس میں شک نہیں کہ یہاں عوام کی غالب اکثریت اسلام کو اس کے مکمل معنوں میں چاہتی ہے اور پچھلے تلخ تجربات نے بہت سے ابن الوقت مذہب بیزار لیڈروں کو بھی اس نعرہ کی اہمیّت اور افادیت تسلیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے مگر کچھ تو علاقائی اور گروہی عصبیت نے اور کچھ بے شمار نظریات اور سیاستدانوں کے سرخ و سفید نعروں کی یلغار اور تصد[illegible] کے حسین اور سنہری وعدوں کی کیف آفرینی نے عوام کے لئے بہت مشکل بنا دیا ہے کہ وہ اپنے لئے کسی صحیح مخلص اور ایماندار قیادت کا انتخاب کر سکیں، ان حالات میں اگر بظاہر قوم ایک منتخب مجلس آئین بنانے میں کامیاب ہو بھی جائے تو اتنے گوناگوں اختلافات اور نظریات کے ہوتے ہوئے پارلیمنٹ کو کسی محدود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عرصہ میں کسی آئین پر اتفاق کرنا ناممکن سی بات معلوم ہوتی ہے جو قوم کے دینی مزاج اور فکری و دینی و معاشی ضرورتوں پر پورا اتر سکتا ہو۔ اگر یہی صورت سامنے آتی ہے تو واضح ہے کہ اس کے نتیجہ میں قوم کو پہلے سے زیادہ شدید بحرانی اور غیر یقینی حالات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اور اس کے تلخ نتائج نہایت بھیانک شکل میں نمودار ہوں گے۔ اگر اس دفعہ بھی اسمبلی نظریۂ اسلام کے تحفظ پر مبنی آئین پر متفق نہیں ہو سکی تو معلوم نہیں آئندہ کب تک یہ زمین سرزمین بے آئین بن کر رہ جائے اور شاید اس کے مقدر میں پھر کبھی بھی امن و خوشحالی اور فارغ البالی نہ ہو۔

~★~

اس میں شک نہیں کہ اس وقت کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو واقعی معنوں میں تن من دھن کی بازی لگا کر خلافت علی منہاج النبوت اور اسلام کا غلبہ دیکھنا چاہتے ہیں ایسا اسلام جو سلف کی تشریح و ترجمانی پر مبنی ہو اور جو کسی بھی خارجی اثرات اور نظریات کا منت پذیر نہ ہو مگر کیا موجودہ صورتحال میں ان کی یہ سعی انتخابی میدان میں بارآور بھی ہو سکتی ہے۔؟ اس سوال کا جواب نہ صرف پوری ملت کے دینی شعور، ملی احساسات اور جذبۂ ایمان و اخلاص کے لئے لمحۂ فکریہ ہے، بلکہ یہ سوال خود علماء حق کے باہمی افتراق اور انتشار کے لئے بھی ایک تازیانہ ہے اور بظاہر پورے ملک کی غیرت و حمیت کیلئے ایک ایسا چیلنج ہے جسے کیا عوام کیا علماء اور کیا سیاسی قائدین سب اُسے نظرانداز کر رہے ہیں۔

موقع اور حالات کی نزاکت اگر کچھ لوگوں کے احساس اور برے بھلے کی تمیز کو جھنجھوڑ دیتی ہے اور کتاب و سنت کی صحیح ترجمانی کے اہل دو چار افراد اسمبلی میں پہنچ جاتے ہیں تو موجودہ مغربی جمہوریت کے دائرہ میں وہ یہ تو کر سکتے ہیں کہ پیش آمدہ مسائل کے بارہ میں اسلام کے نقطۂ نظر سے ایوان کو آگاہ کر کے اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں اور قوم پر اتمام حجت کرا دیں مگر اس مغرب کے ملعون جمہوری نظام نے یہ راستہ تو یقیناً مسدود کر دیا ہے۔ کہ کسی معاملہ میں فیصلہ اکثریت کی رائے اور ووٹ پر نہیں بلکہ خیر و بھلائی اور حق پر کیا جا سکے کیا پچھلے دور میں ایسے بیشمار مواقع نہیں آئے کہ ایوان کی اکثریت کسی مخالف موقف اور استدلال کو حق اور قرین صواب سمجھتے ہوئے بھی جماعتی اور شخصی مفاد، گروہی تعصب یا نفس اور خواہشات کی وجہ سے اپنے غلط اور غیر اسلامی موقف پر ڈٹی رہی اور نتیجۃً فیصلہ ملک و ملت کے اخلاق، تمدن اور معاشرت کو نقصان پہنچانے والی بات کے حق میں ہوا۔

بلاشبہ سوشلزم کفر پر مبنی ایک فلسفۂ حیات ہے مگر مغربی جمہوریت جس شکل میں ہمارے اوپر مسلط

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



ہے اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ہمیں صحیح اسلامی نظامِ حکومت بھی دے سکتی ہے، اس بات سے کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ہم کمیونزم، سوشلزم یا مغرب کے کسی لادینی نظام سے یہ امید وابستہ کردیں ہمیں اسلامی دستور العمل مہیا کردے گا۔ اس میں شک نہیں کہ ــــــ سوشلزم کا فلسفۂ حیات؛ مذہب اور دین سے قطعی ایک متصادم فلسفہ ہے مگر "جمہوریت" بھی اگرچہ وہ براہِ راست اسلام کی مدمقابل نہ بنے پھر بھی عملاً اور نتیجۃً وہ بھی اسلام کے نفاذ کی راہ میں سدِ راہ بننے والی چیز ہے۔ ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ بعض ثقہ اور معاملہ فہم سنجیدہ اہلِ علم اور اصحاب فہم بھی سوشلزم کی بجا طور پر مخالفت کرتے ہوئے جمہوریت کے بارہ میں مغالطہ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس بارہ میں ان کا نقطۂ نظر یا تو محض سطحی یا پھر رواداری کا ہو جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ تو محض ایک طرزِ حکومت ہے مگر یہ سوال اپنی جگہ باقی رہ جاتا ہے کہ کیا یہ طرزِ حکومت اسلامی ہے یا کافرانہ؟ مان لیا کہ جمہوریت ایک طرزِ حکومت ہے مگر کیا مسلمانوں کی زندگی سے متعلق تمام مسائل از قسم معاملات، معاشرت، معاش اور تمدن اس طرزِ حکومت ہی کی گرفت میں نہیں آئیں گے اور کیا اس طرزِ حکومت میں یورپ کی طرح صرف ملک اور زمین خدا کی اور حکم بجائے بادشاہ کے عوام کا نہ ہوگا۔؟

اسلامی نظامِ حکومت میں زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جو اسکی اثر اندازی سے باہر رہ سکے نہ اس میں دین اور سیاست کے خانے الگ الگ ہیں۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر کسی طرزِ حکومت کا غیر اسلامی ہونا پورے نظامِ زندگی کے کافرانہ ہونے کے لئے کافی ہوگا، اور سوشلزم اور جمہوریت میں کچھ فرق نہیں کیا جا سکے گا۔ اور یہ ہم نے اس لئے کہا کہ یہ بات تو بالکل بے لاگ ہے۔ کہ اسلام میں اصل حاکمیت اور فیصلہ کا حق خدا اور اس کے رسول کو ہے صرف وہی قانون سازی کا حقدار ہے مگر مغرب کے جمہوری نظام میں قانون سازی کا حق صرف عوام اور رعیت کو دیا گیا ہے مگر اسلام پوری ملت کو مل کر بھی شریعت سے متصادم کسی بات پر قانون سازی کرنے کا حق نہیں دیتا۔ اور نہ وہ منصوص احکام اور قطعی معروفات یا منکرات کی قانونی حیثیت بدلنے پر ووٹنگ کرنے کا روادار ہے، بخلاف اس کے جمہوریت ایک ووٹ کی اکثریت سے بھی کسی حرام اور قطعی ناجائز بات کے حق میں فیصلہ دے سکتی ہے۔ اسلام کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کے معاملات پر اثر انداز ہونے والے کسی مجلس میں نمائندگی کا حق نہیں دیتا، نہ عورتوں کے نازک کاندھوں پر یہ عظیم کام ڈالنا چاہتا ہے، جبکہ جمہوریت کسی عیسائی اور قادیانی تک کو ملک کے اہم ترین منصب وزارت، صدارت یا عدالت عالیہ کے سب سے بڑے عہدہ چیف جسٹس پر فائز کرانے سے نہیں جھجکتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اور وہ عورتوں تک کو ایوان میں ایک اہم حصہ دیتی ہے ۔ اسی طرح اسلام کسی منصب یا عہدہ کے لئے کسی مسلمان کا از خود اپنے آپ کو پیش کرنے اور اس کے لئے تگ و دو کرنے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے۔ جبکہ جمہوریت کی ساری عمارت اسی "من چو دیگرے نیست" پر کھڑی ہے۔ اسلام میں کسی عہدہ کا استحقاق ایک شخص کی ذاتی اہلیت اور صلاحیت پر ہے ۔ اگر اس میں یہ اہلیت نہیں تو عہدہ کے قابل نہیں اور اگر اس میں یہ تمام شرائط موجود ہیں ، تو وہ اسے ایک مقررہ مدت گزرنے پر بلا وجہ معزول نہیں کرتا ، مگر موجودہ جمہوریت معیارِ استحقاق ووٹوں کی اکثریت کو قرار دیتی ہے خواہ وہ اہلیت کے لحاظ سے صفر کیوں نہ ہو۔ اسی طرح وہ ایک خاص میعاد گزرنے پر اُسے معزول کر دیتی ہے خواہ وہ عدالت اور صلاحیت کے لحاظ سے ہر طرح پورا کیوں نہ ہو۔ اس بارہ میں اسلام پوچھتا ہے کہ اگر یہ شخص نااہل ہے تو اسے حاکم کیوں بنایا گیا اور اگر اہل ہے تو اب اسے معزول کرنا کہاں کی دانشمندی ہے ، اس صورت میں تو وہ ایک با اختیار حاکم نہیں بلکہ بے دست و پا محکوم بن جاتا ہے کہ مقررہ مدت گذرنے پر بلا وجہ اسے سبکدوش کر دیا جاتا ہے۔ اسلام حکومت کو ایسا بے دست و پا نہیں بنانا چاہتا ، نہ خلافت کی عظیم امانت اتنی ہلکی ہے کہ وہ اسے ملک کے ہر اہل و نااہل میں سے جس کو چاہے سونپ دے۔

پھر وہ جمہوریت جو ووٹوں کی بنیاد پر برطانیہ میں لواطت اور پاکستان میں زنا بالرضا کو سندِ جواز فراہم کر سکتی ہے تعدد ازدواج پر پابندی لگاتی اور خاندانی منصوبہ بندی کی اجازت دے سکتی اور شراب کے پرمٹوں کا کوٹہ مقرر کر سکتی ہے ، اللہ کے اٹل قانونِ میراث میں غیر حقدار کو حقدار بنا سکتی ہے۔ ہر شہری کو جو مذہب چاہے اختیار کرنے کی ضمانت دے سکتی ہے ایسی جمہوریت کے اسلامی ہونے کا فتویٰ لگانے والے بزرگ اس بارہ میں کیا ضمانت دے سکتے ہیں کہ کل یہی اسمبلی شراب ، جوا ، سود جیسے قطعی محرمات کے علاوہ ملک کا پورا معاشی اور معاشرتی ڈھانچہ کسی غیر اسلامی سانچہ میں ڈھالنے کی جرأت نہ کر سکے گی ، پس اگر سوشلزم جیسا کہ واقع ہے ، ایک کافرانہ نظام ہے تو ایسی جمہوریت کیوں اسلامی طرزِ حکومت ہے۔ اور اگر وہ لات ہے تو یہ منات کیوں نہیں ۔ ؟

★

واقعہ یہ ہے کہ اسلام نہ تو کسی صدارتی یا پارلیمنٹری نظام کو یہ حق دیتا ہے اور نہ کسی فسطائیت یا ڈکٹیٹر شپ کو کہ وہ جیسا چاہیں مسلمانوں کے معاشرت ، تمدن اور معاشیات سے متعلق کسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



مسئلہ میں قانون سازی کریں، نہ وہ کسی منصوص محرمات اور قطعی منکرات یا معروفات پر رائے شماری برداشت کرسکتا ہے، بلکہ اسکی نگاہ میں کسی اسمبلی اور مجلسِ شوریٰ کی حیثیت ایک قانوندان کی ہے قانون ساز کی نہیں۔ یہ قانون دانی معاشرہ کے کسی خاص طبقہ اور کسی فرد یا جماعت کے نام الاٹ نہیں، لیکن جسطرح دنیا کے ہر قانون کے بارہ میں بولنے اور رائے دینے کا حق صرف اسی کو دیا جا سکتا ہے جو اُس قانون کی بنیادی زبان اس کے محرکات وعوامل اُس کے اسرار اور حکمتوں اور اس کی تمام فنی پیچیدگیوں سے آگاہی رکھتا ہو۔ اگر فرانسیسی زبان کے ابجد سے بھی ناواقف شخص قانون دانی کی ترجمانی نہیں کرسکتا۔ اور انگریزی سے نابلد شخص برٹش لا کی گتھیاں نہیں سلجھا سکتا۔ کسی ہل جوتنے والے ان پڑھ کاشتکار کو ہم تعزیرات ہند کی تشریح کا حق نہیں دے سکتے تو پھر کتاب وسنت اور اس کے استنباط اور اجتہاد کا حق بھی ہم ایسی پارلیمنٹ کو نہیں دے سکتے جسکی اکثریت اسلامی اصولِ شریعت کے مبادیات تو کیا، نفسِ اسلام کے ابجد سے بھی ناواقف ہو ایسا کرنا خدائے علیم وحکیم کے آسمانی قانون کے ساتھ ایک ایسا مذاق ہوگا جسکی نظیر زمین پر انسانوں کے بنائے ہوئے قانون کے ساتھ کسی بھی مذہب اور قوم میں نہیں مل سکتی۔ قانون دانی کے تمام شرائط اور تقاضوں پر پورے اترنے والے افراد بھی اگر کچھ کرسکتے ہیں تو صرف یہی کہ کتاب وسنت پر مبنی احکام وقوانین کو زندگی کے مختلف شعبوں پر لاگو کرنے کی صورتیں تجویز کریں۔ حوادث اور نوازل کو کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھیں عصری تقاضوں کو اسلام کے قالب میں ڈھالیں، نہ یہ کہ خود اسلام کو کھینچ تان کر نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کریں۔ مگر مغربی جمہوریت ایسا نہیں کرتی بلکہ تمام ارکانِ اسمبلی کو بے لگام چھوڑ کر ووٹنگ کے نام پر خدا اور رسول کی تشریعی حیثیت کو چیلنج کرتی ہے جبکہ قانون سازی کی حد تک اسلام میں قطعی ڈکٹیٹر شپ ہے جو اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ مخصوص ہے۔ عوام اور رعایا کو اس میں دخل اندازی کا حق نہیں۔

★

اسلام میں اگر جمہوریت ہے تو وہ صرف اس معنی میں کہ مسلمانوں کا کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ قوتِ حاکمہ بھی خدا اور رسول کے تشریعی اختیارات میں دست اندازی نہیں کرسکتا۔ وہ ہر شہری کو حق دیتا ہے کہ منکرات پر قرآن وسنت کی روشنی میں تنقید اور معروفات کی تلقین کرے۔ کلمہ حق کہنے کا حق ہر جابر وقاہر بادشاہ کے سامنے ہر ادنیٰ رعیت کو حاصل ہے۔ بھلائی کی بات سے کوئی طاقت کسی مسلمان کو نہیں روک سکتی۔ یہ آزادی رائے اسلام کی خاطر ہے۔ اسلام کے خلاف نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک ضعیف بڑھیا فاروق اعظمؓ جیسے خلیفۂ عادل کو ٹوکنے کی مجاز ہے۔ صدر مملکت ہر بات میں اللہ اس کے رسول اور تمام رعایا کے سامنے جوابدہ ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جمہوریت کے نام پر ہر فرد دین شریعت، اخلاق اور تہذیب کے بندھنوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔

جمہوریت کے اس غلط مغربی تصوّر کی وجہ سے بعض خود غرض امراء اور بے دین اصحاب قلم نے یہاں تک کہا کہ اسمبلی کا دائرہ اختیار اس حد تک وسیع ہے کہ اسے "مرکز ملّت" کی حیثیت حاصل ہے، اور رسولؐ کی اطاعت کی طرح اس کے ہر فیصلے کی اطاعت لازمی ہے۔ یہ تصوّر منکرین حدیث کے قائد پرویز اور ایک حد تک فضل الرحمان نے عام کیا۔ صدر ایوب نے جو اپنے آمر مطلق ہونے کے لئے شرعی سند بھی ڈھونڈھنا چاہتا تھا۔ نہ صرف اس کافرانہ نظریہ کی حوصلہ افزائی کی بلکہ اپنی خود نوشت سوانح میں اس تصوّر کو بھی عام کرنا چاہا کہ پارلیمنٹ کی آئین سازی کو شریعت کے ایک اہم اور بنیادی اصول "اجماع" کی حیثیت حاصل ہے جس کے بعد اس کے فیصلوں پر عمل ساری امت کے لئے لازمی قرار دیا جاتا ہے، حالانکہ یہ محض جہالت یا فریب کاری کا ایک کرشمہ ہے اور تمام فقہاء امت نے اجماع کی جو تعریف کی ہے اور جو اصول اور شرائط اس کے انعقاد کے لئے طے کئے ہیں اسکی ادنیٰ مناسبت بھی پارلیمنٹ کے فیصلوں سے نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے کہ جو اجماع تمام مسلمانوں کے ممتاز ترین اہل علم اور علماء راسخین کا۔ (جو اجتہاد کی اہلیّت رکھتے ہوں۔) کتاب وسنت اور قیاس صحیح کی روشنی میں کسی حکم پر متفق ہونے کا نام ہو وہ دنیا کے کسی خاص خطہ کے چند ایسے افراد کے فیصلہ پر کب صادق ہو سکتا ہے جن میں فقہاء اور مجتہدین تو کیا نام کے علماء بھی صرف دو ایک ہوں۔ باقی اکثریت صرف عام مسلمانوں کی نہیں بلکہ غیر مسلم اقلیتی افراد اور خود مسلمانوں میں دین کے بارہ میں معاندانہ ذہنیت رکھنے والے افراد کی ہو، اور عورتیں بھی اس میں شامل ہوں اور اس کے فیصلے کتاب وسنّت کی کسی بنیاد پر نہیں بلکہ اس کی نفی کرنے والے ہوں۔ اپنے دین کے اصول کو اس طرح بازیچۂ اطفال بنانے کی مثالیں غیر مسلم اقوام میں بھی کم ہی ملیں گی۔

★

ہمارے سامنے فقہاء امت کی قانونی اور آئینی تفصیلات اور تشریحات کا ذخیرہ موجود ہے، انہوں نے ہر دور کے نازک اور پیچیدہ ترین مسائل پر اصول شریعت کی تطبیق و تنقیح کا ایک بے مثال کارنامہ چھوڑا ہے، مگر اس کی حیثیت بھی از خود کسی قانون سازی کی نہیں بلکہ


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



معمول و عمل کی روشنی میں کسی چیز کی جائز یا ناجائز حیثیت ظاہر کر دینے کی ہے، اسلامی فقہ کے تمام مکاتب نے اگر کسی رائے کو کتاب وسنت سے زیادہ قریب پایا تو اسے قبول کر لیا اور جسے ہٹا ہوا سمجھا اُسے مسترد کر دیا، خواہ اس کے کہنے والے کتنے زیادہ کیوں نہ رہتے جب تک کوئی فیصلہ کتاب وسنت اور اس کے منشاء و علت پر مبنی نہ ہوتا، ناقابل قبول ہوتا۔ امام ابوحنیفہؒ کی کوفہ والی مجلس قانون میں فیصلہ کتاب وسنت پر ہوتا، کبھی کسی مسئلہ میں صرف ووٹنگ اور اکثریت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کیا گیا۔

★

بہرحال یہ تو ایک تمہیدی بات تھی جو طول پکڑ گئی، آج کی فرصت میں ان خطرات اور مشکلات کی ایک جھلک دکھانا مقصود ہے جو صدر محترم محمد یحییٰ خان کے آئینی ڈھانچہ کے سلسلہ میں قرآن وسنت اور اسلامی نظریہ کی رعایت پر زور دینے کے باوجود بھی ہمارے سامنے ہیں اور جو آئندہ تشکیل پانے والی اسمبلی کی صورت میں بھی اسلامی آئین سازی کے لئے سدِّراہ بن سکتے ہیں۔ اس اسلامی قانون سازی کی حیثیت کیا ہوگی۔؟ اور اس کے لئے دینی اور علمی اہلیت کا معیار کیا ہوگا۔؟ وہ کیا صورتیں ہیں جو ارکان اسمبلی کو کتاب وسنت کے دائرہ میں پابند بنا سکتی ہیں۔؟ اور وہ کونسا با اختیار ادارہ ہوگا جو کسی معاملہ میں نزاع کی صورت میں اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرے گا۔؟ پھر اسکی کیا ضمانت ہے کہ وہ ادارہ پچھلے دور کے شراب اور ربوا کو حلال کرنے والی "عبقری شخصیتوں" سے پاک رکھا جائے گا۔؟ اور وہ کونسی طاقت ہوگی جو تمام ارکان کو اسلام کی اپنی من مانی تشریح اور ترجمانی سے روک کر انہیں اسلام کے مسلّمہ قطعی اور متوارث مفہوم کے تسلیم کرنے پر مجبور کرے گی۔؟ یہ چند سوالات ہیں جو ملک کے تمام اہل علم اور اصحاب فکر کی توجہ کے مستحق ہیں اور اس کے قابل اطمینان جواب پر ہی ملک کو ایک ایسا مکمل اسلامی آئین مہیا ہو سکتا ہے۔ جو اسلام اور عوام کی ضروریات کے تمام تقاضوں کا آئینہ دار ہو۔

★

اس سلسلہ میں صدر یحییٰ کے انتخابی ڈھانچہ سے ایک گونہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ انہوں نے آئین کے چند بنیادی اصول میں نہ صرف قرآن کریم بلکہ سنت رسول کو بھی ملحوظ رکھنے کو لازمی قرار دیا ہے اور اگر کوئی آئین اس اصول کے تقاضوں پر پورا نہ اترے تو اُسے مسترد کر، ...

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com


وعدہ کیا ہے مگر سیاستدانوں کا اسمبلی میں جاکر ایسے کسی آئین پر متفق ہونا بظاہر ناممکن نظر آتا ہے۔ اور اگر یہی بات ہوئی تو بظاہر ایک تو عامۃ المسلمین ایسے کسی دستور کو تسلیم نہیں کر سکیں گے۔ اور پھر صدر صاحب بھی اپنے وعدہ کے مطابق اسے مسترد کر کے دوبارہ انتخابات کرائیں گے مگر اسکی کیا ضمانت کہ دوبارہ تشکیل پانے والی اسمبلی بھی وہی سبق نہیں دہرائے گی۔ نتیجۃً ملک نامعلوم عرصہ تک غیر آئینی تعطل کا شکار ہوکر ملک و ملت کے فکری اور ملی انتشار میں اضافہ در اضافہ کرتا چلا جائے گا۔

ان حالات میں اپنی حقیر دانست میں اس مشکل کا فوری حل ہے، اگر ہے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آئین کا مسئلہ اسمبلی پر چھوڑ دینے کی بجائے حکومت اسے اپنے غیر معمولی اختیارات کے ذریعہ حل کرا دے اور ایک آرڈیننس کے ذریعہ پورے اسلامی آئین (جسے اگر وہ چاہے تو ملک کے ممتاز اصحاب علم و فکر قابل اور متدین اور معتمد اہل افراد کے ذریعہ جلد ہی مرتب کروا سکتی ہے۔) یا فی الحال کم از کم اسلامی نظام کے تمام بنیادی اصول و ضوابط کو آئین میں شامل کرا دینے کا حکم نافذ کر دیا جائے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو دستور کے ان ۲۲ نکات کو ابھی سے آئین میں شامل کرا دینے کا حکم نافذ کرا دیا جائے جس پر ملک کے تمام مکاتب فکر کے جید اور مستند علماء نے اتفاق کیا تھا۔ اور نہ اب تک کسی سیاسی پارٹی نے براہ راست اسکی مخالفت میں آواز اٹھائی ہے اسوقت بظاہر اکثر سیاسی پارٹیاں (گوان کے باطنی عزائم اور نظریات کچھ بھی ہوں)، دعووں کی حد تک اسلامی ضابطۂ حیات اور اس کے عادلانہ نظام کی اہمیت اور ضرورت پر متفق نظر آتی ہیں۔ بھاشانی تو ماشاءاللہ خلافتِ راشدہ کا دور لوٹانا چاہتے ہیں؟ بھٹو کا اعلان ہے کہ ہم کسی بھی غیر اسلامی نظام کو نافذ نہیں ہونے دیں گے۔ مجیب الرحمان تو قرآن کے ساتھ سنت کا بھی نام لے رہے ہیں۔ خان عبدالقیوم خان ہاتھ میں قرآن اٹھائے پھر رہے ہیں۔ سرحد نیشنل پارٹی بھی تقریروں میں اسلام کا ذکر کرتی رہتی ہے۔ پی ڈی پی اور مسلم لیگیوں کا ماضی جیسا بھی ہو اب تو انہیں اسلام کی حفاظت کی شدید فکر ہے۔ اور ماشاءاللہ جماعت اسلامی۔؟ وہ تو پورے اسلام کو بلا شرکت غیرے اپنے لئے الاٹ کروا چکی ہے۔ رہے علماء کرام تو ان کا تو فرض منصبی یہ ہے کہ اسلام کے لئے سردھڑ کی بازی لگائیں۔ ایسی سازگار صورتحال میں (جو انتخابات کے بعد یکسر بدل جاتی ہے) اگر مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بحیثیت ایک با اختیار مسلمان اور ذمہ دار شخص کے آگے بڑھ کر از خود اسلامی آئین کا مسئلہ حل کرواتے ہیں تو ایسے اقدام کو ہرگز غیر جمہوری نہیں کہا جا سکے گا۔ اور اسطرح ان تمام سیاستدانوں کے نعروں اور عمل کا بھی امتحان ہو جائے گا کہ ان کے اسلامی نعرے اور منشور محض انتخابی فراڈ ہیں یا عمل اور عقیدے سے بھی اس کا کوئی جوڑ ہے۔ اس سے


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



یہی گورنمنٹ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ووٹ، قبائلی علاقوں کے الحاق، آبادی کے تناسب سے ایوان میں نمائندگی اور ون یونٹ توڑنے میں اپنے غیر محدود اختیارات سے کام لے کر اپنی دور اندیشی کی ایک مثال قائم کر چکی ہے۔ ان اقدامات سے ملک کے ہر فرد کو اتفاق نہ ہونے کے باوجود بھی ملک کے مفاد کی خاطر ان اقدامات کو غیر جمہوری نہیں بلکہ مسائل کا واقعاتی مطالعہ، بصیرت اور تدبر سمجھا گیا ہے۔ پھر جبکہ اس وقت ملک کو درپیش اہم اور اصل مسئلہ آئین کا ہے۔ اور اس کے حل نہ ہونے کی صورت میں ملک کی نیا ڈوبتی نظر آرہی ہے۔ "جمہوریت" کے نام پر اسے مزید غیر یقینی حالات اور متضاد نظریات رکھنے والے غیر مخلص ارکان کے سپرد کر دینا کہاں کی دانشمندی ہو سکتی ہے جبکہ اسلامی آئین یا اسکی بائیس بنیادی دفعات پر دیگر انتظامی اور انتخابی مسائل کی بہ نسبت مسلمانوں کی اکثریت متفق ہے حکومت کا ایسا کرنا ڈکٹیٹر شپ نہیں ہوگا، بلکہ جلد از جلد ملک کے باشندوں کو ان کے تمام حقوق دیکر انہیں اس ملک کی صحیح حکمرانی میں شریک کرانے کے مترادف ہوگا۔

★

اسلامی آئین کی بات سن کر کچھ لوگ ایسے موقع پر مختلف فرقوں کی بنیاد پر اسلام کا ایک ناقابل عمل آئین ہونے کا افسانہ کھڑا کر دیتے ہیں اور یہ ان کی سراسر فریب کاری ہوتی ہے۔ دراصل ایسے لوگ باطنی منافقت اور دلوں کے کھوٹ کی وجہ سے اسلام کو بحیثیت دستور العمل کے ایک دین ہی نہیں سمجھتے اور اسی مغالطہ انگیزی سے کام لے کر اللہ اور رسول کی لائی ہوئی شریعت کو اس ملک میں نافذ ہی نہیں دیکھنا چاہتے۔ ظاہر بات ہے کہ آئین اور دستور کا زیادہ تر تعلق رعایا کی باہمی معاشرت، تمدن اور داخلی و خارجی معاملات سے ہوتا ہے عبادات سے نہیں اور جہاں تک خرید و فروخت، اجارہ، زراعت یا اس قسم کے تمام معاملات کے احکام کا تعلق ہے۔ اس ملک کے تمام اسلامی فرقوں کا اس میں اختلاف نہیں، معاشرتی قوانین نکاح، طلاق عدت، باہمی حقوق، میراث وغیرہ کا بھی یہی حال ہے۔ سود، زنا، شراب، جوا، سمگلنگ، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، ڈکیتی، اغواء الغرض مال و جان میں دست اندازی کی تمام شکلیں سب کے ہاں ناجائز اور قابل سزا جرائم ہیں۔ سنی تو کیا کسی شیعہ کو بھی ان امور کی قباحت میں تامل نہ ہوگا۔ اخلاق اور معاشرہ کی استواری کے تمام احکام اور ہدایات سے بھی کسی کو اختلاف نہیں، ملک کے انتظامی امور اور ترقیاتی منصوبوں کے بارہ میں بھی اسلام کا کوئی مکتب فکر دوسرے سے دست و گریباں نہیں۔


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدود اور تعزیرات میں سب متفق الخیال ہیں۔ بے حیائی، فحاشی کی تمام صورتیں ہر مکتب فکر میں ناقابل برداشت ہیں، کوئی بھی فرقہ اس معاشی ناہمواری یا غیر فطری مساوات کا قائل نہیں، جو مغربی سرمایہ داری اور اشتراکیت کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اسلام کا ہر فرقہ یہی کہتا ہے کہ اسلام کسی خاص طبقہ کی معاشی خوشحالی کا محافظ نہیں بلکہ وہ غریب و امیر سب کے حقوق اور سب کی بنیادی ضروریات کا کفیل ہے پس وہ کونسی رکاوٹ ہے جو باہمی اختلافات کی وجہ سے اسلامی آئین کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے، مختلف مکاتیب فکر کے اختلافات کا زیادہ تر ظہور عقائد اور عبادات میں ہوتا ہے، جس کے مٹانے اور کسی ایک فقہی اور فروعی نقطہ نظر پر متفق کرانے کا حق شریعت نے خاص مصلحتوں کی وجہ سے کسی اسلامی اقتدار کو دیا ہی نہیں بلکہ اسے آئین کے دائرہ سے باہر چھوڑ اگیا ہے۔ نماز میں قرأت یا آمین کہنا جہر ہے یا خفیہ، رفع یدین ہے یا نہیں۔؟ وتر کی رکعات کتنی ہیں۔؟ حج میں قران افضل ہے یا تمتع، سفر میں دو رکعت بہتر ہیں یا چار۔؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں یا بشر؟ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہیں یا نہیں۔؟ حضرت علیؓ افضل تھے یا ابوبکرؓ و عمرؓ، ائمہ کی تقلید ضروری ہے یا نہیں۔؟ اور اس قسم کے دیگر مسائل کو ان میں سے بعض عقائد کی حد تک بے حد نزاکت اور اہمیت کے حامل کیوں نہ ہوں۔؟ مگر ان اختلافات سے ملک کے اخلاقی، معاشرتی، معاشی اور تمدنی مسائل میں کتاب و سنت کی بالادستی ہرگز ہرگز متاثر نہیں ہوسکتی۔ ہاں اگر کچھ لوگ اسلام کے صریح محرمات شراب، جوا، زنا، سود وغیرہ کو حلال ٹھہرانے لگیں حدود اور تعزیرات کو ظلم اور وحشت سمجھنے لگیں، اخلاقی آوارگی، بے حیائی اور فحاشی کو ترقی اور کامیابی قرار دینے لگیں تو ایسے لوگوں کی مخالفت کا اعتبار ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ ایسے لوگ اسلام یا اسکے کسی فرقے میں داخل کب رہ جاتے ہیں ان کا مطلب تو یہ ہے کہ کل ہم اس ملک کے عیسائی، یہودی، ہندو اور قادیانی اقلیتوں کی موجودگی کو سرے سے سیکولر آئین ہی کے لئے وجہ جواز بنا دیں۔ ایسا کرنا یقیناً اس ملک کے بنیادی اقدار سے غداری کرنا ہوگا۔

بہرحال اگر ہمیں تمام انتظامی اور سیاسی امور میں اختلافات کے باوجود کوئی دوٹوک قدم اٹھانا حکومت کے لئے غیر جمہوری نہیں تو اسلام جیسے متفقہ مسئلہ میں حکومت کا ایسا کوئی مومنانہ قدم اٹھانا نہ صرف اکثریت کے جذبات کی رعایت ہوگی، بلکہ ملک کو گرداب سے نکالنے اور تاریخ میں ایک لامثال مقام حاصل کرنے کی صورت ہوگی۔

~★~


© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نئی تعلیمی پالیسی کے ضمن میں حکومت نے بعض ذیلی کمیٹیاں بنائی ہیں، سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کی اسلامیات کیلئے بھی ایسی ہی ایک نصاب کمیٹی کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ ہم سر دست حکومت کے ایسے اقدامات کو نہایت تحسین سے دیکھتے ہوئے بھی اتنا عرض کریں گے کہ ایسے نصاب پر ملک کے تمام مسلمان بچوں کے دینی مستقبل کا دار و مدار ہوتا ہے۔ یہاں کی اکثریت اہل سنت والجماعت مسلمانوں کی ہے اور اپنے جذبات اور دینی احساسات سے گرویدگی بھی بہرحال ظاہر ہی ہے، حکومت کی نامزد کمیٹی کے بارہ میں ہمیں جو معلومات پہنچی ہیں فی الحال اس کی تفصیل سے گریز کرتے ہوئے ہم اتنا عرض کریں گے کہ اگر ایسی اطلاعات صحیح ہیں تو ملک کی سواد اعظم ایک لمحہ کیلئے بھی ایسے کسی نصاب کو قبول نہیں کر سکے گی، جس میں ان کی دینی ضروریات اور محبوب معتقدات سے ذرہ برابر بھی بے انصافی برتی گئی ہو۔ امید ہے کہ تعلیم سے وابستہ ذمہ دار افراد اس بارہ میں دیانتداری، خلوص اور سیاسی سوجھ بوجھ کا ثبوت دے کر ملک میں کسی نئے فتنے کے ابھارنے کا ذریعہ نہ بنیں گے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

کتب خانہ دارالعلوم حقانیہ

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے اسلامی نصاب کیلئے مرکزی حکومت کی تشکیل کردہ کمیٹی کے سلسلہ میں مرکزی وزیر تعلیم کو حسب ذیل ٹیلیگرام دیا ہے اور ملک کے تمام سنجیدہ افراد سے اس مسئلہ میں آئینی قدم اٹھانے کی اپیل کی ہے:

"تعلیمی پالیسی پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے عرض ہے کہ نئی تعلیم کے اداروں میں اسلامیات کے نصاب کیلئے مجوزہ کمیٹی میں ملک کی اکثریت (MAJORITY) کے جذبات اور معتقدات کا لحاظ رکھتے ہوئے اہل سنت کے ماہر علماء اور مدارس عربیہ سے تعلق رکھنے والے مستند حضرات کو لیا جائے ورنہ تمام مسلمانوں کیلئے ایسا کوئی نصاب قابل قبول نہ ہوگا جس میں دینی تقاضوں کی پوری رعایت نہ برتی گئی ہو۔"

© rasailojaraid.com